رسائل و مسائل

تعلیمات قرآن کے متعلق بحث

(۵)

رسالت اور اسکے احکام

چوہدری غلام احمد صاحب پرویز کے مضمون تعلیمات قرآن کے متعلق بحث کا آخری حصہ جو اتباع و اطاعت رسول اور امارت و رسالت کے متعلق تھا، محرم ۵۴ھ کے ترجمان القرآن میں شائع ہو چکا ہے۔ وعدہ کیا گیا تھا کہ اس کا جواب صفر کے پرچہ میں دیا جائے گا لیکن عدم گنجائش کے سبب سے اس کو ملتوی کرنا پڑا۔ ناظرین اس مضمون کو ملاحظہ کرنے سے پہلے محرم کے پرچہ میں چوہدری صاحب کا مضمون ایک نظر دیکھ لیں۔

اطاعت رسول کے مسئلہ میں یہ امر تو متفق علیہ ہے کہ کوئی رسول اپنی ذاتی حیثیت میں مطاع اور متبوع نہیں ہو سکتا۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت اور پیروی اس بنا پر ہے کہ وہ موسیٰ بن عمران ہیں، نہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اس وجہ سے لائق اطاعت و اتباع ہیں کہ وہ عیسیٰ بن مریم ہیں، اور نہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اس حیثیت سے لازم ہے کہ آپ محمدؐ بن عبداللہ ہیں۔ اطاعت اور پیروی جو کچھ بھی ہے صرف اس حیثیت سے ہے کہ یہ حضرات اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے ان کو وہ علم حق عطا کیا جو عام انسانوں کو عطا نہیں کیا، اور ان کو وہ ہدایت بخشی جو عام لوگوں کو نہیں بخشی اور ان کو دنیا

میں اپنی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کے وہ صحیح طریقے بتائے جن کو عام لوگ اپنی عقل و رائے یا ان کے سوا دوسرے لوگوں کی رہنمائی سے معلوم نہیں کر سکتے۔ اب اختلاف جس امر میں واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول خدا کی اطاعت اور پیروی کس امر میں ہے اور کس حد تک ہے؟

ایک گروہ کہتا ہے کہ اطاعت اور پیروی صرف اس کتاب کی ہے جو اللہ کی طرف سے اس کا رسول لے کر آتا ہے تبلیغ کتاب کے بعد رسول کی حیثیت رسالت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ بھی دنیا کی ایک انسان ہے جیسے اور دوسرے انسان ہیں۔ دوسرے انسان اگر امیر اور سردار قوم ہوں تو محض نظم وضبط (Discipline) کے لیے ان کی اطاعت لازم ہوگی۔ مگر مذہبی فریضہ نہ ہوگی۔ دوسرے انسان اگر عالم، حکیم یا مقنن ہوں تو ان کے اوصاف (Merits.) کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی پیروی کیجائیگی اور یہ پیروی اختیاری ہوگی۔ واجب نہ ہوگی۔ یہی معاملہ رسول خدا کا بھی ہے۔ تبلیغ کتاب کے علاوہ دوسرے تمام معاملات میں رسول کی حیثیت محض شخصی ہے بحیثیت ایک شخص کے اگر وہ امیر ہے تو اس کی اطاعت بالمشافہ ہے نہ کہ دائمی۔ اگر وہ قاضی ہے تو اس کے فیصلے وہیں تک نافذ ہوں گے جہاں تک اس کے حدود قضا (Jurisdiction) ہیں۔ ان سے باہر زیادہ سے زیادہ ایک فاضل جج کی حیثیت سے اس کے فیصلے بطور ایک نظیر کے لیے جائیں گے نہ کہ ایک شارع اور واضع قانون کی حیثیت سے۔ اگر وہ حکیم ہے تو اس کی زبان سے جو حکمت اور اخلاق کی باتیں نکلیں گی وہ اپنی قدر وقیمت کے لحاظ سے قبول کی جائیں گی۔ جس طرح دوسرے حکماء وعقلا کی ایسی ہی باتیں قبول کی جاتی ہیں۔ محض اس بنا پر کہ وہ حامل منصب رسالت کی زبان سے نکلی ہیں، داخل دین نہیں سمجھی جائیں گی۔ اسی طرح اگر وہ ایک نیک سیرت انسان ہے، اور اس کی زندگی اپنے اطوار آداب اور معاملات کے اعتبار سے ایک بہترین زندگی ہے، تو ہم بالاختیار اس کو ایک نمونہ (Model) بنائیں گے، جس طرح ایک غیر نبی کی اچھی زندگی کو نمونہ قرار دینے میں ہم مختار ہیں لیکن اس کا کوئی قول

اور عمل ہمارے لیے اخلاق، معاشرت، معیشت اور معاملات میں ایسا قانون نہ ہوگا جس کی پیروی ہم پر واجب ہو۔ یہ مذہب اس گروہ کا ہے جو آجکل اہل قرآن کہلاتا ہے۔

ایک دوسرا گروہ اس خیال میں تھوڑی سی ترمیم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ رسول کے ذمہ صرف کتاب پہنچا دینا ہی نہ تھا۔ بلکہ کتاب کے احکام پر عمل کرکے دکھا دینا بھی تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تاکہ امت اسی نمونہ پر عامل ہو۔ لہٰذا عبادات وطاعات وغیرہ کے متعلق احکام کتاب کی جو تفصیلی عملی صورت رسول نے بتائی ہے، اس کی پیروی بھی کتاب ہی کی پیروی ہے، اور دینی فرض ہے۔ باقی رہے وہ معاملات جو احکام کتاب کے علاوہ رسول نے اپنی شخصی حیثیت میں، ایک امیر، ایک قاضی، ایک مصلح قوم، ایک حکیم، ایک شہری، اور ایک فرد جماعت کی حیثیت سے انجام دیے، تو ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ایک دائمی اور عالمگیر ضابطہ وقانون بنانے والی ہو۔ اور جس کی پیروی ہمیشہ کے لیے ایک دینی فرض ہو۔ اس گروہ کے نمایندے جناب مولانا اسلم جیراجپوری ہیں۔

ایک تیسرا گروہ ہے جو رسول کی حیثیت رسالت کو اس کی زندگی کے ایک بہت بڑے حصہ پر حاوی سمجھتا ہے، اخلاق، معاشرت، معاملات، احکام قضایا، اور بہت سے دوسرے معاملات میں اس کے قول اور فعل کا خدا کی جانب سے ہونا تسلیم کرتا ہے، اور یہ بھی مانتا ہے کہ یہ سب چیزیں امت کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں، مگر وہ حیثیت رسالت اور حیثیت شخصی میں فرق ضرور کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ رسول کی زندگی کے کچھ معاملات ایسے ضرور ہیں۔ جو حیثیت رسالت سے خارج ہیں، اور قابل تقلید نمونہ نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ کوئی ایسا واضح خط نہیں کھینچ سکتا جو حیثیت رسالت اور حیثیت شخصی میں بین امتیاز کردیتا ہو۔ اور ایک ایسی حد مقرر کرتا ہو جہاں پہنچ کر رسول کی حیثیت محض ایک انسان کی رہ جاتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ چوہدری صاحب اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور میں ابتدا ہی میں یہ امر واضح کردینا

چاہتا ہوں کہ ان کا مسلک مقدم الذکر دونوں گروہوں کی بہ نسبت حق سے بہت زیادہ قریب ہے اگرچہ تھوڑی سی غلطی اس میں ضرور ہے لیکن الحمد للہ کی وہ گمراہی کی حد تک نہیں پہنچی۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ رسول کی حیثیت شخصی اور حیثیت رسالت اگرچہ اعتبار میں دو جداگانہ حیثیتیں ہیں، مگر وجود میں دونوں ایک ہی ہیں، اور ان کے درمیان عملاً کوئی فرق کرنا ممکن نہیں ہے منصب رسالت دنیوی عہدوں کی طرح نہیں ہے کہ عہدہ دار جب تک اپنے عہدہ کی کرسی پر بیٹھا ہے عہدہ دار ہے، اور جب اس سے اترا تو ایک عام انسان ہے۔ بلکہ رسول جس وقت منصب رسالت پر سرفراز ہوتا ہے، اس وقت سے مرتے دم تک وہ ہر وقت اور ہر آن مامور(On duty) ہوتا ہے، اور وہ کوئی فعل ایسا نہیں کرسکتا جو اُس سلطنت کی پالیسی کے خلاف ہو جس کا وہ نمائندہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس کی زندگی کے معاملات عام اس سے کہ وہ امام کی حیثیت سے ہوں، یا امیر کی حیثیت سے، قاضی کی حیثیت سے ہوں یا معلم اخلاق کی حیثیت سے، ایک شہری اور سوسائٹی کے ایک فرد کی حیثیت سے ہوں، یا ایک شوہر، باپ، بھائی، رشتہ دار، اور دوست کی حیثیت سے سب اس کی حیثیت رسالت اس طرح حاوی ہوتی ہے کہ کسی حال میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے منفک نہیں ہوتی، حتٰی کہ جب وہ اپنی خلوت میں اپنی بیوی کے پاس ہوتا ہے اس وقت بھی وہ اُسی طرح اللہ کا رسول ہوتا ہے جس طرح وہ مسجد میں نماز پڑھاتے وقت ہوتا ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ جو کچھ کرتا ہے، اللہ کی ہدایت سے کرتا ہے۔ اس پر ہر آن اللہ کی طرف سے سخت نگرانی قائم رہتی ہے جس کے ماتحت وہ انہی حدود کے اندر چلنے پر مجبور رہتا ہے، جو اللہ نے مقرر کر دی ہیں۔ اگر اس کے پاؤں کو ذرا سی لغزش ہوتی ہے تو اس کو فوراً تنبیہ کی جاتی ہے، کیونکہ اس کی خطا صرف اسی کی خطا نہیں بلکہ ایک پوری امت کی خطا ہے۔ اس کو بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان زندگی بسر کر کے ان کے سامنے ایک "مسلم" کی زندگی کا مکمل نمونہ پیش کر دے، اور ان کے انفرادی

واجتماعی معاملات میں اُن کی رہنمائی کرکے نہ صرف ان کو فرداً فرداً "مسلمان" بنائے، بلکہ اسلام کا تمدنی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی نظام قائم کرکے صحیح معنوں میں ایک مسلم سوسائٹی بھی وجود میں لے آئے۔ لہذا اس کا خطا او غلطی سے محفوظ ہونا لازم ہے، تاکہ کامل اعتماد کے ساتھ اس کی پیروی کی جاسکے، اور اس کے قول و فعل کو بالکلیہ اسلام کی تعلیم اور اسلامیت کا معیار قرار دیا جاسکے اس میں شک نہیں کہ نبی کے اقوال و افعال میں تقلید و تاسی کے لحاظ سے فرق مراتب ضرور ہے بعض وجوب اور فرضیت کے درجہ میں ہیں، بعض استحباب کے درجہ میں، اور بعض ایسے ہیں جن کی حیثیت ذریعۂ استعمال کی ہے لیکن فی الجملہ نبی کی پوری زندگی ایک ایسا نمونہ (Model) ہے جس کو اسی لیے پیش کیا گیا ہے کہ بنی آدم اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔ جو شخص اس نمونہ کی مطابقت میں جتنا بڑھا ہوا ہوگا وہ اتنا ہی کامل انسان اور مسلمان ہوگا، اور جو اس کی مطابقت کے کم سے کم ناگزیر مرتبہ سے بھی گھٹ جائے گا، وہ اپنی کوتاہی کے لحاظ سے فاسق، فاجر، گمراہ اور مغضوب ہوگا۔

میرے نزدیک یہی آخری گروہ حق پر ہے، اور میں قرآن اور عقل کی روشنی میں جتنا زیادہ غور کرتا ہوں اس مسلک کی حقانیت پر میرا یقین بڑھتا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے جو حالات قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ان کو دیکھنے سے مجھکو نبوت کی حقیقت یہ نہیں معلوم ہوتی کہ اللہ تعالےٰ یکایک کسی راہ چلتے کو پکڑ کر اپنی کتاب پہنچانے کے لیے مامور کر دیتا ہو یا کسی شخص کو اس طور پر اپنی پیغامبری کے لیے مقرر کرتا ہو کہ وہ منجملہ اپنے دوسرے کاروبار کے ایک پیغمبری کا کام بھی انجام دے دیا کرے گویا کہ وہ ایک (Part time servant) ہے جو مقرر اوقات میں ایک مقرر کام کر دیتا ہے اور اس کام کو ختم کرکے آزاد ہوتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ برعکس اس کے میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم میں نبی بھیجنا چاہا ہے تو خاص طور پر ایک شخص کو اسی کے لیے

پیدا کیا ہے کہ وہ نبوت کی خدمت انجام دے، اس کے اندر انسانیت کی وہ بلند ترین صفات اور وہ اعلیٰ درجہ کی ذہنی و روحانی قوتیں ودیعت کی ہیں جو اس سب سے بڑے منصب کو سنبھالنے کے لیے ضروری ہیں، پیدائش کے وقت سے خاص اپنی نگرانی میں اس کی تربیت اور نگرانی کی ہے، نبوت عطا کرنے سے پہلے بھی اس کو اخلاقی عیوب اور گمراہیوں اور غلط کاریوں سے محفوظ رکھا ہے، خطرات اور مہلکوں سے اس کو بچایا ہے، ایسے حالات میں اس کی پرورش کی ہے جنہیں اس کی استعداد بتدریج ترقی کر کے فعلیت کی طرف بڑھتی رہی ہے، پھر جب وہ اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے تو اس کو خاص اپنے پاس سے علم اور قوت فیصلہ، اور نور ہدایت عطا کر کے منصب نبوت پر مامور کیا ہے۔ اور اس سے اس طرح یہ کام لیا ہے کہ اس منصب پر آنے کے بعد سے آخری سانس تک اس کی پوری زندگی اسی کام کے لیے وقف رہی ہے، اس کے لیے دنیا میں تلاوت آیات، اور تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفوس کے سوا کوئی اور مشغلہ نہیں رہا ہے۔ رات دن اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اس کو یہی دھن رہی ہے کہ گمراہوں کو راہ راست پر لائے اور راہ راست پر آجانے والوں کو ترقی کی اعلیٰ منزلوں پر چلنے کے قابل بنائے وہ ہمیشہ ایک (Whole time servant) رہا ہے جس کو کبھی چھٹی نہیں ملی اور نہ اس کے لیے کبھی اوقات کار (Working hours) مقرر کیے گئے، اس پر خدا کی طرف سے شدید نگرانی قائم رہی ہے کہ خطا نہ کرنے پائے، ہوائے نفس کے اتباع اور شیطانی وساوس سے اس کی سخت حفاظت کی گئی ہے، معاملات کو اس کی نری عقل اور اس کے اجتہاد پر نہیں چھوڑا گیا، بلکہ جہاں خدا کے مقرر کیے ہوئے خط مستقیم سے اس نے بال برابر بھی جنبش کی ہے وہیں اس کو ٹوک کر سیدھا کر دیا گیا ہے، کیونکہ اس کی پیدائش اور اس کی بعثت کا مقصد ہی یہ رہا ہے کہ خدا کے بندوں کو سواء السبیل اور صراط المستقیم پر چلائے۔ اگر وہ اس خط سے ایک سرمو بھی ہٹتا تو عام انسان میلوں اس سے دور نکل جاتے۔

یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کے لفظ لفظ پر قرآن گواہ ہے۔

یہ بات کہ انبیا علیہم السلام پیدائش سے پہلے ہی نبوت کے لیے نامزد کردیے جاتے ہیں، اور ان کو خاص طور پر اسی منصب کے لیے پیدا کیا جاتا ہے، متعدد انبیا کے احوال سے معلوم ہوتی ہے مثلاً حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت ابراہیمؑ کو ان کی پیدائش اور نبوت کی خوشخبری دیدی جاتی ہے۔ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ (۳:۳۷) حضرت یعقوب کے لیے بھی پہلے ہی سے خبر دی جاتی ہے (وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ) حضرت یوسف کے متعلق بچپن ہی میں حضرت یعقوب کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو برگزیدہ کرنے اور ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کی طرح ان پر اپنی نعمت کا اتمام کرنے والا ہے۔ حضرت زکریا بیٹے کے لیے دعا کرتے ہیں تو ان کو حضرت یحییٰ کی خوشخبری ان الفاظ میں دی جاتی ہے کہ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (۳:۴) حضرت مریم کے پاس خاص طور پر فرشتہ بھیجا جاتا ہے کہ ایک پاک طینت لڑکے (غلامًا زکیًا) کی خوشخبری دے، اور جب ان کے وضع حمل کا وقت آتا ہے تو خاص حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی زچگی کے انتظامات ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو سورہ مریم رکوع دوم)۔ پھر اس اسرائیلی چرواہے کو بھی دیکھیے جس سے وادی مقدس طویٰ میں بلا کر باتیں کی گئیں۔ وہ بھی عام چرواہوں کی طرح نہ تھا۔ اسے مصر میں خاص طور پر فرعونیت کو تباہ کرنے اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے پیدا کیا گیا۔ اس کو قتل سے بچانے کے لیے ایک تابوت میں رکھوا کر دریا میں ڈلوایا گیا۔ خاص اسی فرعون کے گھر پہنچایا گیا جس کو وہ تباہ کرنے والا تھا۔ اس کو پیاری صورت دی گئی کہ فرعون کے گھر والوں کے دل میں گھر کرے (وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ)، اس کے منہ کو تمام عورتوں کے دودھ سے روک دیا گیا یہاں تک کہ وہ پھر اپنی ماں کی آغوش میں پہنچ گیا اور اس کی پرورش کا انتظام

خاص حق تعالیٰ کی نگرانی میں ہوا (وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ)۔ یہ چند مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام خاص طور پر نبوت ہی کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں۔

پھر اس طرح جن لوگوں کو پیدا کیا جاتا ہے، وہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتے، بلکہ غیر معمولی قابلیتوں کے ساتھ وجود میں آتے ہیں۔ ان کی فطرت نہایت پاکیزہ ہوتی ہے۔ ان کے ذہن کا سانچہ ایسا ہوتا ہے کہ اس سے جو بات نکلتی ہے سیدھی ہی نکلتی ہے۔ غلط اندیشی اور کج بینی کی استعداد ہی ان میں نہیں ہوتی۔ وہ جبلی طور پر ایسے بنائے جاتے ہیں کہ بلا ارادہ اور بلا کسی غور و فکر کے محض حدس اور وجدان سے ان صحیح نتائج پر پہنچ جاتے ہیں جن پر دوسرے انسان غور و فکر کے بعد بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے علوم کسبی نہیں ہوتے، بلکہ جبلی و وہبی ہوتے ہیں۔ حق اور باطل، صحیح اور غلط کا امتیاز ان کی عین سرشت میں ودیعت کیا جاتا ہے، اور فطرۃً وہ صحیح سوچتے ہیں، صحیح بولتے ہیں اور صحیح عمل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت یعقوب کو دیکھیے۔ حضرت یوسف کا خواب سنتے ہی ان کے دل میں کھٹک پیدا ہو جاتی ہے کہ اس بچے کو اس کے بھائی جینے نہ دیں گے۔ برادران یوسف ان کو کھیل کے لیے لیجانا چاہتے ہیں تو حضرت یعقوب نہ صرف انکی بُری نیت کو بھانپ لیتے ہیں بلکہ ان کو ٹھیک وہ بہانہ بھی معلوم ہو جاتا ہے جو بعد میں وہ بنانے والے تھے فرماتے ہیں۔ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ۔ پھر جب یوسف کے بھائی خون [illegible] بھرا ہوا کرتا لاکر دکھاتے ہیں تو حضرت یعقوب اس کو دیکھ کر فرماتے ہیں بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا۔ اسی طرح جب برادران یوسف مصر سے واپس آکر کہتے ہیں کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے، اور یقین دلانے کے لیے یہاں تک عرض کرتے ہیں کہ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیجیے جہاں سے ہم آ رہے ہیں، تو حضرت یعقوب پھر وہی جواب دیتے ہیں کہ یہ تمہارے نفس کا گھڑا ہوا ہے اور بیٹوں کو پھر مصر بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اِذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَ اَخِیْهِ۔ اس

بعد جب ان کے بیٹے حضرت یوسف کا قمیص لے کر مصر سے چلتے ہیں تو ان کو دور ہی سے حضرت یوسف کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نفسی و روحانی قوتیں کس قدر غیر معمولی ہوتی ہیں صرف حضرت یعقوب ہی کی خصوصیت نہیں، تمام انبیاء کا یہی حال ہے حضرت یحییٰ کے متعلق ارشاد ہے۔

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً (۱۹: ۱) — ہم نے بچپن ہی میں اس کو قوت فیصلہ اور رحم دلی اور پاک طینتی اپنی طرف سے عطا کی۔

حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے گہوارے میں کہلوایا جاتا ہے کہ:۔

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا۔ (۱۹: ۲)۔ — اور اللہ نے مجھ کو برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں اور اس نے مجھ کو وصیت کی کہ جب تک جیوں نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دوں اور اس نے مجھکو اپنی ماں کا خدمت گذار بنایا اور مجھکو جبار اور شقی نہیں بنایا۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:۔

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (۶۸: ۱) — اور تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔

یہ سب ان جبلی اور فطری کمالات کی طرف اشارات ہیں جن کو لے کر انبیاء علیہم السلام پیدا ہوتے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ ان کی انہی فطری استعدادات کو ترقی دیکر فعلیت کی طرف لے جاتا ہے یہاں تک کہ ان کو وہ چیز عطا کرتا ہے جس کو قرآن میں علم اور حکم (قوت فیصلہ) اور ہدایت اور بینہ وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت نوح اپنی قوم سے کہتے ہیں:۔

وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (۷: ۸) — میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت سماوات و ارض کا مشاہدہ کرادیا جاتا ہے (۶: ۹)

اور جب وہ اس مشاہدہ سے علم الیقین لے کر پلٹتے ہیں تو اپنے باپ سے کہتے ہیں۔

يَا أَبَتِ قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا (۱۹: ۳)

اے باپ میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں ہے لہٰذا میری پیروی کریں تجھے سیدھا راستہ بتاؤں گا۔

حضرت یعقوب کے متعلق ارشاد ہے:

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ (۱۲: ۸)۔

اور یقیناً وہ علم رکھتا تھا جو ہم نے اس کو تعلیم کیا تھا مگر اکثر لوگ یہ راز نہیں جانتے۔

حضرت یوسف کے حق میں فرمایا۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اس کو دانش اور قوت فیصلہ عطا کی۔

یہی بات حضرت موسیٰ کے حق میں بھی فرمائی۔ (۲۸ : ۲) یہی حکم اور علم حضرت لوط کو عطا کیا گیا (۲۱ : ۵) اور اسی غیر معمولی علم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی سرفراز ہوئے۔

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (۴: ۱۷)

اور اللہ نے تیرے اوپر کتاب اور حکمت اتاری اور تجھے وہ علم دیا جو پہلے تو نہ جانتا تھا۔

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي (۶: ۷)

کہہ کہ میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح اور روشن رستے پر ہوں۔

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (۱۲: ۱۲)

کہہ کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں بصیرت پر ہوں اور وہ بھی جو میرے پیرو ہیں

اس علم اور حکم سے نبی اور عام انسانوں کے درمیان اتنا عظیم تفاوت واقع ہو جاتا ہے جتنا ایک آنکھوں والے اور ایک نابینا کے درمیان ہوتا ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ (۶: ۵) ۔ میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے، کہو اے محمد! کیا اندھا اور آنکھوں والا، دونوں برابر ہیں

ان آیات میں جس چیز کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض کتاب نہیں ہے، بلکہ وہ ایک روشنی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے نفس میں پیدا کر دی جاتی ہے۔ اسی لیے اس کا ذکر کتاب سے الگ کیا گیا ہے، اور اسے انبیاء کی صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس روشنی سے حقائق کا عینی مشاہدہ کرتے ہیں، اسی سے غلط اور صحیح میں امتیاز کرتے ہیں۔ اسی سے معاملات میں فیصلہ کرتے ہیں۔ اور اسی سے ان امور میں نظر کرتے ہیں جو ان کے سامنے پیش ہوتے ہیں علمائے اسلام نے اسی چیز کا نام وحی خفی رکھا ہے یعنی وہ اندرونی ہدایت و بصیرت جو ہر وقت ان بزرگوں کو حاصل رہتی ہے، اور جس سے وہ ہر موقع پر کام لیتے ہیں دوسرے لوگ غور و فکر کے بعد بھی جن باتوں کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے، اور جن امور میں حق اور صواب معلوم نہیں کر سکتے ان میں نبی کی نظر اللہ کی دی ہوئی روشنی اور بصیرت کے زور سے آن واحد میں تہ تک پہنچ جاتی ہے۔

اس کے بعد قرآن مجید ہم کو بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو نہ صرف حکمت اور قوت فیصلہ اور غیر معمولی دانش و بینش عطا کی ہے، بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ ہمیشہ ان پر خاص نظر رکھتا ہے، غلطیوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے، گمراہیوں سے ان کو بچاتا ہے خواہ وہ انسانی اثرات کے تحت ہوں یا شیطانی وساوس کے تحت یا خود ان کے اپنے نفس سے پیدا ہوں حتیٰ کہ اگر وہ مقتضائے بشریت کبھی اپنے اجتہاد میں بھی غلطی کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فوراً ان کی اصلاح کر دیتا ہے حضرت یوسف کے قصے میں دیکھیے قریب تھا کہ عزیز مصر کی بیوی ان کو اپنے جال میں پھانس لے، اللہ تعالیٰ نے اپنی برہان دکھا کر ان کو بدکاری سے روک دیا۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ اس نے یوسف سے ارادہ بد کر ڈالا، اور وہ بھی اس کی طرف ارادہ کرتا

رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا (ایسا ہوا تاکہ ہم اس کو برائی
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (۱۲ : ۳) اور بے حیائی سے پھیر دیں کیونکہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جنہیں ہم نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا تو انہیں خوف ہوا کہ کہیں فرعون ان پر زیادتی نہ کرے اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں اور سب کچھ سن اور دیکھ رہا ہوں (۲۰ : ۲) ساحروں کے سانپوں کو دیکھ کر موسیٰ ڈرے تو فوراً اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى (۲۰ : ۴) یہ خوف بشریت کی بنا پر تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس بشری کمزوری کو اپنی وحی سے دور کیا۔

حضرت نوح بیٹے کو ڈوبتے دیکھ کر چیخ اٹھے رب اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ یہ بشری کمزوری تھی۔ اللہ نے اسی وقت یہ حقیقت ان پر واضح کر دی کہ وہ تیرے نطفہ سے ہے تو ہوا کرے، مگر تیرے "اہل" سے نہیں، کیونکہ عمل غیر صالح ہے۔ بشریت نے محبت پدری کے جوش میں نبی کی نظر سے یہ حقیقت چھپا دیا تھا کہ حق کے معاملہ میں باپ بیٹا، بھائی کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے اسی وقت آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دیا، اور حضرت نوح مطمئن ہو گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی متعدد مرتبہ ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں۔ اپنی فطری رحمت و رافت، کفار کو مسلمان بنانے کی حرص، کفار کی تالیف قلب، لوگوں کے چھوٹے سے چھوٹے احسان کا بدلہ دینے کی کوشش، منافقین کے دلوں میں ایمان کی روح پھونکنے کی خواہش، اور کبھی کبھی اقتضائے بشریت کی بنا پر جب کبھی آپ سے اجتہادی لغزش ہوئی ہے، وحی جلی سے اس کی اصلاح کی گئی ہے۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى. اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (۸۰ : ۱) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى (۹ : ۸) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (۹ : ۷) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (۱۰ : ۱۹) وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (۹ : ۱۱) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (۶۶ : ۱) یہ سب آیات اسی امر کی شہادت دیتی ہیں۔ لوگ ان آیات کو اس امر کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطیاں سرزد ہوتی تھیں اور آپ غلطیوں سے مبرا نہ تھے خصوصاً حضرات اہل قرآن کو ان آیات کے ذریعہ سے اللہ کے

رسول کی غلطیاں پکڑنے میں خاص مزا آتا ہے لیکن در اصل یہ آیتیں اس امر کا ثبوت ہیں کہ اپنے نبی کو غلطیوں سے بچانے اور ان کی اصلاح کرنے کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے رکھی تھی۔ ایک نہیں متعدد جگہ حق تعالیٰ نے یہ بات واضح طور پر بیان کی ہے کہ وہ براہ راست اپنے نبی کی نگرانی کرتا ہے مثلاً فرمایا،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (۴: ۱۷)

اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ تو تم کو راہ راست سے ہٹا دینے کا عزم کر ہی چکا تھا مگر وہ خود اپنے آپ کو بہکانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے اور تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور تم کو وہ علم دیا ہے جو پہلے تم نہ جانتے تھے۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا (۱۷: ۸)۔

قریب تھا کہ وہ تمہیں اس بات سے جو ہم نے تم پر وحی کی ہے منحرف کر دیتے تاکہ تم اس کے سوا کچھ اور ہم پر بنا لو اور اس وقت وہ تم کو دوست بنا لیتے اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو کسی قدر تو تم ان کی طرف جھک ہی جاتے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَّلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنّٰى أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ آيٰتِهِ۔ (۲۲: ۷)۔

ہم نے تم سے پہلے جو رسول یا نبی بھیجا ہے اس نے جب کبھی کسی بات کی تمنا کی شیطان نے اس کی تمنا میں وسوسے ڈال دیا مگر اللہ نے اس بات کو جو شیطان نے ڈالی تھی مٹا دیا، پھر اس نے اپنی آیات کو محکم کر دیا۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تمام ان غلطیوں سے بچاتا ہے جو انسان سے اثر، یا شیطانی اغوا یا خود اپنے نفس کی کسی خواہش کی بنا پر اس سے سرزد ہوتی ہے۔

(باقی)